قسط ۱

بانئ پاکستان جناب محمد علی جناح کا پاکستان

جناب رحیم بخش شاہین ایم اے

کانگریسیت جو لوگ اسلامی پاکستان سے خائف ہیں اور جن کے ذہنوں میں مغربیت گھسی ہوئی ہے۔ ان کو چھوڑ باقی سب لوگ پاکستان کو چاہتے ہیں خاص گروہ لوگ جن کو اقتدار کے خواب آتے رہتے ہیں۔ لیکن ان کو اسلامی پاکستان پسند نہیں ہے۔ اس لیے پاکستان کی شانِ نزول اپنی اپنی دلچسپی کے مطابق بیان کرتے رہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کا فیصلہ بانئ پاکستان مرحوم سے لیا جائے کہ انہوں نے کون سے پاکستان کے لیے جہاد کیا تھا۔ ذیل کا مضمون اسی وضاحت کے لیے قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

واللہ ولی التوفیق۔

(ایڈیٹر)

قومیت: علم سیاسیات کی رو سے قومیت ایک ایسا جذبہ ہے جس کی تشکیل کے لیے نسلی، لسانی، تاریخی، اقتصادی، سیاسی، مذہبی، وطنی اور تمدنی اشتراک ضروری ہے، ان امور میں سے بعض کی عدم موجودگی سے قومیت کے وجود پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لیکن بعض اہم طاقتور عوامل کا فقدان قومیت کو باقی نہیں رہنے دیتا۔ مثلاً مذہبی اور تمدنی عوامل کو اگر ایک طرف رکھ دیا جائے تو محض وطنی یا لسانی یا نسلی اشتراک قومیت کی تعمیر میں کامیاب ثابت نہ ہوسکے گا۔ اس سلسلہ میں قریب کی مثال برصغیر پاک و ہند کی دی جاسکتی ہے۔

ہندو معاشرہ: برصغیر پاک و ہند میں متحدہ قومیت کا وہ تصور کبھی وجود میں نہیں آیا۔ جس کا نعرہ عہد حاضر میں کانگریس کی طرف سے بلند کیا گیا۔ ہندو معاشرے کی ایک نمایاں خصوصیت اس کی ذات پات کی ناقابلِ تنسیخ تقسیم ہے۔ برہمن، کھشتری، ویش اور شودر کا نسلی اعتبار سے باہم کوئی تعلق نہیں ان میں کچھ ذاتیں ہیں جو ازل سے ابد تک شرف و عظمت کے مقام پر فائز ہیں اور بعض ایسی

ہیں جو پیدائشی غلام اور محکوم ہیں۔ ان کے معاشرتی مقام میں تفاوت کے علاوہ اقتصادی مفادات میں بھی بیّن فرق پایا جاتا ہے، حالانکہ بظاہر یہ سب ہندو کہلاتے رہے ہیں اور ایک ہی جغرافیائی وطن میں رہتے رہے ہیں لیکن پھر بھی اس ہم آہنگی سے محروم ہیں جو ایک قومیت کی تشکیل کے لیے لازمی ہوتی ہیں۔ اس لحاظ سے بھی متحدہ ہندوستانی قومیت ایک سراب نظر آتا ہے، جہاں تک سیاسی وحدت کا تعلق ہے تو اتنی طویل تاریخ میں یہ سرزمین ہمیشہ متعدد ریاستوں میں تقسیم رہی ہے۔ لہٰذا اس کی سیاسی وحدت کا دعویٰ بھی محض فریب ہے۔

جب ہندو مذہب کے پیروکاروں کے اندر یہ کیفیت ہے کہ وہ ایک متحدہ قومیت کی تشکیل میں ناکام رہے ہیں تو مسلمان کس طرح اس تصور کو اپنا سکتے ہیں اور ہندوؤں کے ساتھ مل کر ایک قوم بنا سکتے ہیں۔ مسلمان ایک ایسے دین پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو بنیادی طور پر ہندو مذہب کے اصولوں کے خلاف ہے اسلام توحید کا علمبردار ہے شرک اور بت پرستی کا دشمن ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی اور لائق اتباع قرار دیتا ہے، ذات پات اور دیگر مادی امتیازات کو رد کر کے انسانی اخوت و مساوات پر زور دیتا ہے، ہندوؤں کے اعلیٰ طبقے اسلام کی انقلابی تعلیمات کو کس طرح قبول کر سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے تقریباً ایک سال تک دونوں قوموں کے ایک ساتھ رہنے کے باوجود ان میں وہ ہم آہنگی نا صرف مفقود نظر آتی ہے جو ایک قوم بنانے میں ممد و معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ بلکہ بعض مخصوص حالات کی بناء پر دونوں قومیں ایک دوسرے کی دشمن نظر آتی ہیں۔ روزِ اوّل سے دونوں قومیں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار نظر آتی ہیں۔ محمد بن قاسم کی آمد سے لے کر مغلیہ سلطنت کے زوال تک ہندوؤں نے مسلمانوں کی برتری اور اقتدار کو دل و جان سے قبول نہیں کیا اور سیاسی و سماجی سطح پر مسلمانوں کو کمزور کر کے یا ان کے وجود کو جذب کرنے اور بالآخر تحلیل کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔ لیکن مسلمانوں نے اس کوشش کو ناکام بنا دیا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوؤں کی معاندانہ سرگرمیوں میں شدت پیدا ہو گئی اور سیاسی مصالح کی بناء پر انگریز حکمرانوں نے بھی ان کی پوری پوری پشت پناہی کی۔ ہندوؤں کی یہ یلغار اتنی زبردست تھی کہ آج اس کی شدت کا صحیح طور پر اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ ہندوؤں کی اس یلغار ہی کا ردِ عمل تھا جس کی مدافعت میں مسلمانوں نے مسلم لیگ قائم کی۔

مسلم لیگ کا نظریہ:۔ مسلم لیگ کا وجود دراصل اس امر کا اعلان تھا کہ کانگریس جس متحدہ قومیت کے تصور کو اپنائے ہوئے ہے وہ ریت کا ایک گھروندا ہے، ۱۹۰۶ء کے بعد مسلمانوں نے

اپنے جداگانہ وجود کو ہندو قومیت میں تحلیل ہونے سے روکنے کی جدوجہد کا آغاز کیا۔ انہوں نے واضح کر دیا کہ کوئی ایسا دستور انہیں قبول نہ ہوگا جس میں ان کے مذہبی تشخص اور جداگانہ وجود کے تحفظ کی ضمانت نہ دی گئی ہو۔ جب ہندو قیادت نے دیکھا کہ مسلمان اپنے قومی وجود سے آشنا ہو رہے ہیں اور یہ خود آگہی ان کی منتشر صفوں میں ترتیب و تنظیم پیدا کرنے کا باعث بن رہی ہے تو انہوں نے ایک طرف تو متحدہ قومیت کا نعرہ زور و شور سے لگانا شروع کر دیا اور دوسری طرف ایسے منصوبے بنانے شروع کر دیئے جن پر مکمل طور پر عمل درآمد کرنے سے مسلمانوں کی جداگانہ ہستی حرفِ غلط کی طرح مٹ جاتی۔ شدھی کی تحریک مسلم رابطہ مہم، واردھا تعلیمی سکیم، ودیا مندر سکیم اور بندے ماترم وغیرہ اسی نئی واردات کے شاخسانے تھے۔ یہ واردات اتنی مؤثر اور مہلک تھی کہ اگر مسلم قیادت بروقت اس کا تدارک نہ کرتی تو برصغیر کے مسلمان صفحہ ہستی سے ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو جاتے۔ اس موقع پر جن رہنماؤں نے مسلمانوں کی عملی رہنمائی کی اور انہیں تاریخ کے اس ہلاکت آمیز موڑ سے بچایا۔ ان میں بانئ پاکستان محمد علی جناح خاص طور پر لائق ذکر ہیں۔ بانئ پاکستان نے ایک ایسے وقت میں کشتی ملت کی ناخدائی کی جب وہ سیاست کے بحرِ مواج میں مخالفت کی آندھیوں کے زبردست تھپیڑوں کی زد میں آکر ڈانواں ڈول ہو رہی تھی۔

بانئ پاکستان کا سیاسی مدوجزر

بانئ پاکستان شروع شروع میں ایک نڈر محبِ وطن رہنما کی حیثیت سے افق سیاست پر نمودار ہوئے۔ اس زمانے میں وہ چاہتے تھے کہ ہندوستان عروس آزادی سے ہمکنار ہو اور اس مقصد کے لیے ہندوستان کی تمام اقوام مل جل کر جدوجہد کریں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مسلم لیگ میں شمولیت پسند نہ کی۔ اور بدستور کانگریس کے پلیٹ فارم سے نعرۂ آزادی بلند کرتے رہے۔ پھر ایک مرحلہ ایسا آیا کہ انہوں نے اس مقصد کے لیے مسلم لیگ میں شرکت کی کہ کسی نہ کسی طرح ہندو مسلم مصالحت ہو جائے تاکہ برصغیر انگریزی استبداد کے بے رحم پنجے سے رہائی حاصل کر سکے۔ اسی مقصد کے لیے انہوں نے ۱۹۱۶ء میں میثاق لکھنؤ کی طرح ڈالی۔ لیکن زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ ان پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ ہندو قیادت مسلم حقوق و مفادات کے تحفظ کی یقین دہانی کرانے سے فرار اختیار کر رہی ہے اور اس مقصد کے لیے وہ نت نئے بہانوں کی تلاش میں رہتی ہے۔ اس لئے آپ نے کانگریس سے قطع تعلق کر لیا اور مسلم لیگ کے زیر سایہ مسلم حقوق کے تحفظ کے لیئے آمادۂ عمل ہو گئے۔

کانگریس کا نظریہ

کانگریس کا نقطۂ نظریہ تھا کہ برصغیر ایک ملک ہے، اس میں رہنے والے ایک قوم ہیں، ان کی ایک نمائندہ جماعت ہے جس کا نام کانگریس ہے، جو انگریزوں کے انخلا کے بعد مغربی طرز کی لادینی جمہوری ریاست قائم کرے گی، جس کا کوئی مذہب نہیں ہوگا۔ اور جس کے فیصلے اکثریت سے ہوں گے۔ اور جو ایک متحدہ ہندوستانی قومیت کے فروغ کے لئے کوشش کرے گی جبکہ مسلم لیگ ان میں سے ایک دعوے کو ماننے کے لئے بھی تیار نہیں تھی، اس کے نزدیک برصغیر ایک ملک نہیں ملکوں کا مجموعہ ہے، اس کے باشندے ایک قوم نہیں متعدد قوموں کا مجموعہ ہیں، جن میں ہندو اور مسلمان قومیں اکثریت کی مالک ہیں، ہندوؤں کی نمائندہ جماعت کانگریس اور مسلمانوں کی مسلم لیگ ہے، انگریزوں کے انخلاء سے پیشتر ہندو مسلم تصفیہ ضروری ہے، مسلمان کسی ایسی حکومت کو قبول نہیں کریں گے جس میں محض اکثریت کی بنا پر فیصلے کئے جائیں اور کسی قوم کے مذہبی تشخص کو پیش نظر نہ رکھا جائے وہ کسی ایسی تحریک کا ساتھ نہیں دیں گے۔ جس کے پیش نظر مسلم قومیت کا خاتمہ ہو۔ مسلم لیگ اور مسلمانوں کا یہی وہ انداز فکر تھا جس نے بعد ازاں ۱۹۴۰ء کے لگ بھگ مطالبۂ پاکستان کا نام پایا۔ اب مسلمان محض حقوق کے لئے دستوری تحفظات کے طلبگار نہیں تھے بلکہ وہ ایک ایسے خطۂ زمین کے خواہاں تھے جہاں وہ اپنی آرزوں کی آزادانہ صورت گری کر سکیں۔ بالآخر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو دنیا کی سب سے بڑی مسلم مملکت دنیا کے نقشے پر پوری آب و تاب کے ساتھ نمودار ہوگئی۔

پاکستان کے محرکات

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ تحریک پاکستان کے محرکات میں معاشی اور سیاسی مسائل کو اہمیت حاصل تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ معاشی میدان میں ہندو اور مسلمان اقوام میں بعد المشرقین تھا، ہندو اپنی ساہوکاری اور کاروباری ذہنیت کی بنا پر ملک بھر کی تجارت پر چھائے ہوئے تھے، تعلیمی لحاظ سے ترقی یافتہ ہونے کی بنا پر سرکاری ملازمتوں پر بھی ان کا ہی غلبہ تھا اور یہ لوگ بڑے منظم طریقے سے مسلمانوں کو معاشی لحاظ سے بے دست و پا بنانے کی فکر میں تھے۔ اسی طرح ہندوستان میں اکثریت میں ہونے کی وجہ سے مجوزہ جمہوری حکومت کے در و بام پر بھی وہی مسلط ہو جاتے۔ اس کے

مقابلے میں مسلمان تجارتی، تعلیمی لحاظ سے پسماندہ تھے اور ہندوؤں کے مقابلے میں ان کی تعداد بھی کم تھی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر ہندو کس بنا پر مسلمانوں کو سیاسی و معاشی لحاظ سے تباہ کرنا چاہتے تھے؟ اس کا صرف ایک ہی جواب ہے کہ وہ اسلام کے وجود کو ہندوستان کی سرزمین پر برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے تھے۔

اسلام کے اصول

اسلام کے سیدھے سادے۔عام فہم اور قابل عمل اصول ہندو مت کے گورکھ دھندے اور از کار رفتہ ظالمانہ سماج کے لئے ایک مستقل چیلنج کی حیثیت رکھتے تھے۔ گویا معاشی اور سیاسی اختلافات دراصل سطحی ہیں۔ جو مذہبی اور نظریاتی اختلاف کا نتیجہ ہیں۔ ہندوؤں کا مقصد مسلمانوں کو محض معاشی یا سیاسی لحاظ سے مفلوج کرنا نہیں تھا بلکہ مذہبی لحاظ سے ان کے وجود کو ہمیشہ کے لئے تحلیل کرنا تھا اور۔ وہی عمل دہرانا تھا۔ جس کی مدد سے ہندوؤں نے مسلمانوں سے پہلے یہاں آنے والے غیر ملکی حملہ آوروں اور مقامی آبادی کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا۔ لیکن اس مرتبہ ہندوؤں کو ایک ایسے نظام زندگی سے دوچار ہونا پڑا تھا جو دنیا کے تمام نظاموں سے بالاتر ہے۔ جو ہر اعتبار سے کامل ہے، جو دورِ جدید کے حقائق و مسائل پر پوری جامعیت سے حاوی ہے جو دوسرے مذہبوں اور تہذیبوں کو اپنے اندر جذب تو کر سکتا ہے لیکن ان میں جذب ہو کر اپنے وجود سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔ یہ کوئی قومی، وطنی یا نسلی مذہب نہیں ہے بلکہ یہ جملہ مادی امتیازات سے ماوریٰ تمام نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی کا داعی ہے۔ اس لئے جو شخص اس کا حلقہ بگوش ہو جاتا ہے خواہ وہ کسی خطۂ ارض سے تعلق رکھتا ہو، کوئی زبان بولتا ہو، کسی نسل سے ہو، وہ ایک نئی قوم یا ملت کا فرد بن جاتا ہے۔ جب برصغیر میں پہلا مسلمان وارد ہوا تو اپنے ساتھ یہی انقلابی اصول لے کر آیا اور جب پہلا ہندو مسلمان ہوا تو اس کی ذات میں یہی انقلاب برپا ہوا۔ ایک آزاد مسلم مملکت کے قیام کا مطالبہ یا پاکستان کے حصول کی جدوجہد اسی انقلاب کا منطقی نتیجہ ہے۔

یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف بانی پاکستان محمد علی جناح نے ان لفظوں میں اشارہ کیا تھا۔

"پاکستان اسی دن وجود میں آگیا تھا جب ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب یہاں مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمۂ توحید ہے، وطن نہیں اور نہ ہی نسل، ہندوستان کا جب پہلا فرد مسلمان ہوا تو وہ پہلی قوم

کا فرد نہیں رہا۔ وہ ایک دوسری قوم کا فرد بن گیا۔ ہندوستان میں ایک نئی قوم وجود میں آگئی۔"

(مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۸ مارچ ۱۹۴۴ء)

مسلمان مخالف معاشرے میں مدغم نہ ہو

اسی تقریر میں آگے چل کر آپ نے فرمایا:۔

"جہاں تک کسی مسلمان کا تعلق ہے اسلام نے اس پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ وہ اپنے تشخص اور انفرادیت کو کسی مخالف معاشرے میں مدغم نہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طویل مدت تک ساتھ رہنے کے باوجود ہندو ہندو رہے اور مسلمان مسلمان۔ دونوں قومیں ایک دوسرے میں مدغم نہیں ہوئیں۔ اپنے وجود کے تحفظ کی اسی خواہش کا نام پاکستان ہے۔"

بانئ پاکستان کا اصل کارنامہ

بانئ پاکستان محمد علی جناحؒ کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی اس خواہش سے آگاہ ہو کر اس کی تکمیل کا سامان کیا۔ آپ نے ایک نئے عزم کے ساتھ ۱۹۳۶ء میں اس وقت مسلم لیگ کا علم تھاما جب ۱۹۳۵ء کے قانون کے تحت ۱۹۳۷ء میں انتخابات منعقد ہونے والے تھے۔ آپ نے ایک طرف مسلمانوں کو ان کی قومی ہستی کے شعور سے مالامال کرنے کی کوشش کی اور دوسری طرف مسلم لیگ کو ایک نمائندہ، مضبوط اور مستحکم و منظم مسلم جماعت بنانے کی جدوجہد کی۔ ان انتخابات میں اگرچہ مسلم لیگ کو زیادہ نشستیں نہیں ملیں۔ لیکن جب کانگریس نے کامیابی کے نشے میں چور ہو کر مسلم دشمن رویہ اختیار کیا تو مسلمانوں نے مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو کر اپنے ملی وجود کے تحفظ کی جدوجہد زیادہ جوش و خروش اور منظم طریقے سے شروع کر دی۔ قائداعظمؒ نے اس صورت حال کی عکاسی کرتے ہوئے فرمایا:۔

"مسلمان اس قوم کی مانند تھے جو اپنا اخلاقی، ثقافتی اور سیاسی شعور کھو چکی ہو۔ ابھی آپ نے اخلاقی، ثقافتی اور سیاسی شعور کا وہ پچھلا سا معیار حاصل نہیں کیا ہے ابھی تو آپ بیدار ہوئے ہیں اور آپ کے سیاسی شعور میں حرکت پیدا ہوئی ہے۔ کانگریس کا دعویٰ غلط ہو یا صحیح،

اس سے قطع نظر آپ دیکھتے ہیں کہ ہندوؤں نے اخلاقی، ثقافتی اور سیاسی شعور کے ضروری اوصاف پیدا کر لئے ہیں اور ان اوصاف نے ہندوؤں کے قومی احساس کی صورت اختیار کر لی ہے۔ یہی طاقت ان کے پس پشت کارفرما ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مسلمان بھی یہ طاقت پیدا کریں۔ جب آپ یہ طاقت پیدا کریں گے تو جس چیز کے حصول کا ارادہ کریں گے، وہ حاصل ہو جائے گی۔ سروں کا گننا (رائے شماری) اچھی بات سہی۔ لیکن گنتی قوموں کی تقدیر کا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ ابھی آپ کو قومیت اور قومی انفرادیت پیدا کرنی ہے۔ یہ بڑا کام ہے، اور ابھی آپ نے اسے شروع ہی کیا ہے تاہم مجھے کامیابی کی قوی اُمید ہے جو ترقی ہو چکی ہے وہ معجزے سے کم نہیں۔ مجھے خواب میں بھی یہ خیال نہ تھا کہ ہم ایسا حیرت انگیز مظاہرہ کر سکیں گے۔ جو آج سامنے ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہنوز کام کا آغاز ہے۔"

(اجلاس مسلم لیگ، پٹنہ۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۳۸ء)

ہندو کی خوش فہمی

ہندوؤں کو اس امر پہ ناز تھا کہ وہ تعلیمی اور معاشی طور پر برصغیر کی تمام قوموں سے بلند ہونے کی وجہ سے زیادہ سیاسی شعور کے مالک ہیں۔ لیکن مسلمانوں نے باوجود پسماندہ ہونے کے جس طرح کانگریسی عزائم کے خلاف اپنے جداگانہ وجود کے تحفظ کے لئے جدوجہد کی۔ وہ ان کے بہتر سیاسی شعور کی علامت تھا۔ اسی لیے بانی پاکستان نے فرمایا:۔

"تمام دشواریوں کے باوجود مجھے یقین ہے کہ مسلمان کسی دوسرے گروہ کی نسبت بہتر سیاسی دماغ رکھتے ہیں۔ سیاسی شعور مسلمانوں کے خون میں ملا ہوا ہے اور ان کی رگوں اور شریانوں میں دوڑ رہا ہے اور اسلام کی باقی ماندہ عظمت ان کے دلوں میں دھڑک رہی ہے۔"

(عربک کالج، دہلی۔ ۱۹۳۹ء)

امتیازی خصوصیت

دراصل بانی پاکستان کو یقین تھا کہ مسلمانوں کی ایک امتیازی خصوصیت ان کا اسلامی تہذیب و ثقافت سے تعلق ہے جو دنیا کی جدید ترین اور جامع ترین تہذیب و ثقافت ہے، اس نے ماضی میں بھی شاندار کارنامے سرانجام دیئے تھے اور عہد حاضر میں بھی مسلمانوں کی ترقی و عروج کی ضامن ہے، ہندوؤں نے پہلے بھی اس کو ختم کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے اور اب پھر وہ اس کو مٹانے پر تلے ہوئے ہیں۔

لیکن وہ ناکام رہیں گے۔

"تمہاری تعداد سب سے زیادہ ہوا کرے۔ تم ترقی یافتہ اور تمہاری اقتصادیات مستحکم سہی اور تم سمجھا کرو کہ سروں کی گنتی ہی آخری فیصلہ ہے۔ لیکن میں تمہیں بتلائے دیتا ہوں، تم دونوں کو کہ تم تنہا یا تم دونوں متحد ہو کر بھی، ہماری روح کو فنا کرنے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکو گے، تم اس تہذیب کو کبھی مٹا نہ سکو گے، اس اسلامی تہذیب کو جو ہمیں ورثے میں ملی ہے، ہمارا نور ایمان زندہ ہے، ہمیشہ زندہ رہا ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا، بے شک تم ہمیں مغلوب کرو، ہم پر ظلم وستم کرو، ہمارے ساتھ بدترین سلوک روا رکھو، لیکن ہم ایک نتیجے پر پہنچ چلے ہیں اور ہم نے یہ سنگین فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر مرنا ہی ہے تو لڑتے لڑتے مر جائیں گے۔"

(مرکزی اسمبلی، ۲۲ر مارچ - ۱۹۲۹ء)

مسلم خدا کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھکتا

مسلمان ایک خدا کے سوا کسی کے سامنے سر نہیں جھکاتا، دنیا کی کوئی قوت اس کو مرعوب نہیں کر سکتی اور نہ زیادہ مدت تک محکوم بنا سکتی ہے، مسلمان آزادی کے لیے پیدا ہوا ہے اور آزاد رہے گا۔ بانی پاکستان نے واضح کیا کہ اگر ہندو اور انگریز مل کر بھی مسلمانوں کو مغلوب کرنے کی کوشش کریں گے تو منہ کی کھائیں گے۔

"دولت برطانیہ ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتی ہے، اور گاندھی جی مسلم ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم دونوں کو اپنے اوپر حکومت نہ کرنے دیں گے

۱۹۴۱ء میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی رہنمائی کے لیے بانی پاکستان لاہور میں تشریف لائے تو جمعہ کا روز تھا۔ سٹیشن پر ہم سب لوگوں نے ان کا استقبال کیا، اور ریلوے سٹیشن کے قریب آسٹریلیا بلڈنگ سے ملحقہ مسجد میں جمعہ کی نماز کے لیے سب لوگ روانہ ہوئے .... بانی پاکستان کو مرزا عبدالحمید جو امام تھے۔ انہوں نے اور دوسرے تمام لوگوں نے صفِ اوّل میں نماز ادا کرنے کے لیے کہا۔ لیکن بانیٔ پاکستانؒ نے انکار کر دیا اور سب سے پچھلی صف میں جہاں لوگوں کے پاپوش پڑے ہوتے ہیں۔ وہاں بیٹھ کر بانیٔ پاکستان نے

جمعۃ المبارک کی نماز ادا کی اور ادائیگی نماز کے بعد مسجد سے ننگے پاؤں جوتا ہاتھ میں پکڑے سڑک میں کھڑی ہوئی کار تک آئے اور کار کے پاس پہنچ کر جوتا پہنا............ لوگوں نے اس اثنا میں بہت کوشش کی کہ ان کا جوتا پکڑلیں۔ لیکن انہوں نے ڈانٹ دیا اور کہا کہ میں بھی آپ کی طرح ایک آدمی ہوں۔ آپ کی عزتِ نفس بھی وہی ہی ہے، جیسی میری اس لیے اس کی حفاظت کرو۔

(ڈاکٹر ضیاء السلام)

خواہ دونوں متحد ہوکر یا تنہا کوشش کر دیکھیں۔"

——— عربیک کالج، دہلی، ۱۹۳۹ء)

اسلامی ثقافت

اسلامی ثقافت کی عمارت جن بنیادوں پر استوار ہوتی ہے وہ خدا کی کتاب قرآن مجید میں درج ہیں، اس پر کاربند رہ کر مسلمان ہمیشہ متحد رہیں گے۔ وہ کوئی ایسا اتحاد قبول نہ کریں گے جو ان اصولوں سے ہٹ کر خواہ وہ وطنی اتحاد ہو یا لسانی اشتراک؛ بانیٔ پاکستان نے قرآن کی عظمت بیان کرتے ہوئے کہا:۔

" وہ کونسا رشتہ ہے جس میں منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسدِ واحد کی طرح ہیں۔ وہ کونسی چٹان ہے جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے وہ کونسا لنگر ہے جس سے اُمت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے؟ وہ رشتہ، وہ چٹان، وہ لنگر خدا کی کتاب قرآن حکیم ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے، ہم میں زیادہ سے زیادہ اتحاد پیدا ہوتا جائے گا۔ ایک خدا، ایک رسولؐ، ایک کتاب، ایک اُمت۔"

——— (اجلاس مسلم لیگ، کراچی، ۱۹۴۳ء)

یہ کتاب ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مسلمان ایک طرف قرآن پر ایمان بھی رکھیں اور دوسری طرف وہ اپنی زندگی کا کوئی شعبہ کسی انسانی فلسفہ کی بنیاد پر استوار کریں۔ قرآن نہ صرف ان کی انفرادی زندگی کی رہنمائی کرتا ہے بلکہ اُن کی اجتماعی زندگی کی رہبری بھی کرتا ہے۔ اس لیے وہ کوئی ایسا نظریہ، نظام یا طریقہ قبول نہیں کر سکتے جو انہیں قرآنی اصولوں سے بے نیاز کرنے کی کوشش کرے۔

ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی احکام مذہبی اور اخلاقی فرائض تک محدود نہیں جیسا کہ گبن نے کہا تھا "اوقیانوس سے گنگا تک قرآن کو دینیات ہی نہیں بلکہ شہری (سول) اور تعزیری قوانین کی بھی بنیاد سمجھا جاتا ہے اور وہ قوانین جن سے بنی نوع انسان کے اعمال اور حقوق کی حد بندی ہوتی ہے۔ وہ بھی خدا کے غیر متبدل احکام سے متعین ہوتے ہیں۔ جاہلوں کی بات الگ ہے ورنہ ہر کوئی جانتا ہے کہ قرآن مسلمانوں کا ہمہ گیر ضابطۂ حیات ہے، مذہبی، سماجی، شہری، کاروباری، فوجی، عدالتی، تعزیری اور قانونی ضابطۂ حیات۔ جو مذہبی تقریبات سے لے کر روزمرہ زندگی کے معاملات تک، روح کی نجات سے لے کر جسم کی صحت تک، تمام افراد سے لے کر ایک فرد کے حقوق تک، اخلاق سے لے کر جرم تک، اس دنیا میں جزا و سزا سے لے کر اگلے جہاں کی سزا و جزا تک کی حد بندی کرتا ہے۔"

——— (پیام عید، ۱۹۴۵ء)

پھر عداوتوں اور مخالفتوں کے طوفانوں میں جو چیز مسلمانوں کو ثابت قدم رکھتی ہے وہ قرآن مجید ہے۔ خدا کی یہ آخری کتاب ہدایت مسلمانوں کے لیے قوت و توانائی کا لازوال خزینہ ہے، بانیٔ پاکستان کو یقین تھا کہ مسلمان اگر اس کے اصولوں کو اپنا لیں تو وہ موجودہ سیاسی جنگ میں بھی اس طرح سرخرو ہوں گے جس طرح ماضی میں وہ اپنے سے کئی گنا بڑی طاقتوں کے مقابلے میں ہوتے رہے ہیں:۔

"اس وقت میدان سیاست میں ہندو مسلمانوں کی جنگ ہو رہی ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کون منتخب ہوگا، علم غیب خدا کو ہے۔ لیکن میں ایک مسلمان کی حیثیت سے علی الاعلان کہتا ہوں کہ اگر ہم قرآن مجید کو اپنا آخری اور قطعی رہبر بنا کر شیوۂ صبر و رضا پر کاربند ہوں اور اس ارشاد خداوندی کو کبھی فراموش نہ کریں کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں تو ہمیں دنیا کی کوئی طاقت یا کئی طاقتیں مل کر بھی مغلوب نہیں کر سکتیں۔ ہم تعداد میں کم [illegible] کے باوجود فتح یاب ہوں گے۔ جس طرح مٹھی بھر مسلمانوں نے ایران و روم کی سلطنتوں کے تختے الٹ دیئے تھے۔"

——— (جلسۂ عام حیدر آباد دکن، ۱۱ر جولائی ۱۹۴۶ء)